© rasailojaraid.com

اسلامی حکومت اور قانون سازی

ڈاکٹر فضل الرحمن

یہ مضمون [illegible] ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی [illegible] شائع ہوا [illegible] زبان و بیان کی [illegible] شائع کیا جا رہا ہے ۔ محترم ڈاکٹر صاحب [illegible] مضمون [illegible] یونیورسٹی (کینیڈا) سے ماہنامہ "چراغ راہ" کے [illegible] ہو ۔ (ایڈیٹر)

اسلام زندگی کے کسی خاص شعبے کے نظام کا نام نہیں بلکہ وہ عبارت ہے مجموعی زندگی کے بارے میں ایک پورے رویے سے ۔ اس حقیقت سے انکار کرنا نہ صرف قرآن و سنت نبوی سے انکار کرنا ہے بلکہ اسلام کی تاریخ کے اولین اور تشکیلی دور کو بھی نظرانداز کرنا ہے ۔ اس کا یقیناً یہ مطلب نہیں جیسا کہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ تصور قائم کر چکے ہیں کہ مثال کے طور پر دنیا کی صدیوں میں سے ایک خاص طب ہے جس کا نام "اسلامی طب" ہے ۔ اسی طرح سائنسوں میں سے ایک خاص سائنس ہے جس کا نام "اسلامی سائنس" ہے ۔ ظاہر ہے ان تصورات میں معقولیت کو بہت کم دخل ہے ۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے زندگی کے بارے میں ایک پورے رویے کا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ذہنیات و تجربات جو ایک فرد کے باطن میں ذات باری تعالیٰ کی نسبت واقع ہوتے ہیں ۔ نیز وہ تعلقات جو فرد اور باری تعالیٰ کے مابین پائے جاتے ہیں ۔ اور جنہیں آج کل کی اصطلاح میں "خالص مذہبی" کہا جاتا ہے ۔ اسلام صرف ان کا نام نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے جو اخلاقی فعالیت کے دائرہ کار میں داخل ہیں اس لئے "اسلامی معاشرہ" ۔ "اسلامی اقتصادیات" اور "اسلامی حکومت" کے تصورات نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ معقول ہیں بلکہ وہ "اسلام" کے عمومی تصور کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازمی اور منطقی اجزا ھیں لیکن زندگی کے ان شعبوں میں بھی ان کے روحانی اور اخلاقی عناصر میں ایک طرف اور آلاتی (Instrumental) اور میکانکی اجزا میں دوسری طرف فرق کرنا ضروری ھے -

اسلام کی اسی جامعیت اور اس کے مجموعی زندگی کے پورے رویے پر مشتمل ہونے سے اس کا " عبادت " کا بنیادی اور ھمہ گیر تصور منتج ھوتا ھے - اسلام نے " عبادت " سے نہ صرف Worship یعنی اس کے منجملہ شعائر ہولے کا مفہوم لیا بلکہ اس کے انتہائی وسیع معنوں میں اس سے مراد خدمت (service) لی - یہی وجہ ھے کہ قرآن ساری بے جان کائنات کے غیر اختیاری رویے کو بھی واضح طور پر " عبادت " قرار دیتا ھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے شعائری عبادت کو " ترک دنیا " کے تصور کے ساتھ مخلوط ہونے سے محفوظ رکھا - اور شعائری عبادت کے معنی یہ قرار دئے کہ انسان پورے خشوع و خضوع اور خلوص و ادراک کے ساتھ اللہ تعالی سے زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی خدمت بجا لانے کے لئے قوت و خلوص طلب کرے - یہی وجہ ھے کہ اگرچہ اسلام نے شعائری انفرادی عبادت پر زور دیا لیکن تمام شعائری عبادات کے ضمن میں فرائض کو اجتماعی واجبات قرار دیا -

شاید ھی کوئی ایسا مذھب ھوگا خواہ وہ کتنا بھی پرانے نام کیوں نہ ھو جس نے شعائری عبادت اور نظام عالم کے درمیان یا روحانی قوت اور اخلاقی فعالیت کے درمیان کسی نہ کسی شکل میں کوئی نہ کوئی تعلق برقرار رکھنے کی کوشش نہ کی ھو لیکن اس سلسلے میں اسلامی نظام کی امتیازی حیثیت یہ ھے کہ اس نے ان دونوں اطراف کے درمیان ایک حیاتیاتی تعلق (Organic Relationship) قائم کیا اور جزا اور سزا کے پورے قانون کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اسی اصول پر مرتب کیا اور اس تعلق کو مثبت شکل دینے کے لئے ادارے بہم پہنچانے جن میں سے ایک بڑا ادارہ (Institution) حکومت ھے - اسلام کی اس حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے تو اس سے ایک بڑا اھم نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ اسلام ان معنوں میں " مذھب " (Religion) نہیں جن معنوں میں دنیا کے دوسرے مذہبی نظام اپنے آپ کو مذھب کہتے ھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو عام طور سے مذہب کے معنی لئے جاتے ہیں ۔ چونکہ اسلام ان معنوں میں ''مذہب'' نہیں اس لئے غیر مذہبی (secular) کی اصطلاح (جو مغرب کے عصر نو نے اپنے حکومتی اداروں کے لئے ایجاد کی ہے) اسلامی نظام کے اندر کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ نہ صرف یہ کہ ''مذہبی'' اور ''غیر مذہبی'' کی اصطلاحیں اسلامی نظام میں بار نہیں پا سکتیں بلکہ اس میں ان اصطلاحات کے کوئی معنی ہی نہیں ۔ اسی سلسلے میں مغربیوں نے اپنے قانون کے لئے لفظ ''اثباتی'' وضع کیا جس سے ان کا مقصد اپنے ''اثباتی'' اور ''غیر مذہبی'' (secular) قانون کی مذہبی قانون سے تفریق تھی ۔ مگر ان معنوں میں دیکھا جائے تو اسلام کے پورے نظام کو اثباتی اور غیر مذہبی'' (secular) کہا جا سکتا ہے ۔ لیکن چونکہ اسلام میں کوئی ''غیر اثباتی'' عنصر نہیں اس لئے اس نظام کے بارے میں لفظ ''اثباتی'' اور غیر مذہبی (secular) کا اطلاق بے محل اور بے معنی ہے ۔

اسلام کا اولین مقصد انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی ہر دو لحاظ سے صالح اور اخلاقی فعالیت کے لئے کارآمد بنانا ہے ۔ حکومت کا قیام اسلام کا اولین مقصد نہیں لیکن چونکہ اخلاقی فعالیت کے لئے انسانی معاشرے کا منظم ہونا لازمی ہے اور یہ کہ تمام انسانوں میں روحانی اور اخلاقی قوتیں اور صلاحیتیں برابر نہیں ہوتیں اس لئے انتشار پذیر (Chaotic) صورت حال کا اندیشہ رہتا ہے اس کے پیش نظر انسانی تنظیم اور معاشرے کی تشکیل کے لئے اداروں کا وجود ضروری ہے جو خدائی قانون کو اپنائیں اس کی ترجمانی کریں اور اسے عملی شکل دیں اس خدائی قانون کا نام شریعت ہے ۔ لفظ شریعت کا اطلاق ہمہ گیر اخلاقی اور روحانی اصولوں نیز ان اصولوں کی قانونی ترجمانی ہر دو پر ہوتا ہے مثلاً ''قتل کرنا برا ہے'' یہ ایک اخلاقی اصول ہے ''قاتل کو سزا دی جائے'' اس اخلاقی اصول کی یہ قانونی ترجمانی ہے ۔ شریعت کے لفظ کا ان دونوں پر اطلاق ہوتا ہے ۔

اس مقالہ کا موضوع بحث محض قانون سازی نہیں ۔ ہم اس میں حکومت اور معاشرے کے تعلقات پر اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اس سلسلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ہمارا یہ کہنا ہے کہ قرآن جو وحی خداوندی کا حاصل ہے گو زیادہ تر ور بالذات اخلاقی اور روحانی اصولوں کی ایک کتاب ہے لیکن اس میں جابجا ؟اریخی مواقع کے ضمن میں ان اصولوں کی قانونی ترجمانی بھی کی گئی ہے جس سے کہ قرآن کے قانون سازی کے طریقے پر بڑی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے۔ ترآن کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح تاریخی مواقع کے ضمن میں شریعت خداوندی کے اصولوں کی شرعی حیثیت سے ترجمانی رمائی جس کا مجموعہ سنت نبوی ہے اخلاقی اور روحانی اصولوں کی قانونی ترجمانی اور اس کی بنیاد پر قانون سازی کا کام نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ نے جاری رکھا بلکہ اسلامی تاریخ کی پہلی تین صدیوں میں برابر اسی نہج پر یہ کام ہوتا رہا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے فرد انسانی اصلاً اور بنیادی طور پر ایک آزاد مخصیت رکھتا ہے لیکن معاشرے کا ایک جزو ہونے کی بنا پر اس پر روحانی ور معاشرتی فعالیت کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کے پیش نظر اسے رائض کا موضوع اور حامل قرار دیا گیا ہے ان کو ''حقوق'' یا ''حدود اللہ'' کہا گیا ہے یہ ''حدود'' بنیادی انسانی حریت کو سلب کرنے کے لئے نہیں لکہ ان کا مقصد اسے روحانی اور اخلاقی اقدار کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ؟ر آمد بنانا ہے۔ خود تشریع اسلامی کی روح اور تاریخ اسلام کا اولین دور یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رض کا زمانہ) دونوں اس کی تمی شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد میں قانون سازی کا دائرہ بہت وسیع نہ ھا اور جب تک کسی قانون کی واقعی ضرورت پیش نہ آتی محض قانون سازی ی غرض سے قانون نہیں بنائے جاتے تھے نیز اس ضمن میں جو قانون بنائے گئے انہیں ہوس اور حقیقی تاریخی واقعات کے پیش نظر بنایا گیا۔ مثال کے طور پر شراب ی حرمت کا مسئلہ لیجئے پہلے شراب پی جاتی تھی بعد میں اس پر پابندی لگائی ئی اور شراب نوشی کے نتیجے میں جو مخموری ہوتی ہے اسے مثبت و بنیادی ی قرار دے کر اس پر ایک اخلاقی حکم عائد کیا گیا پھر جب حالات اس امر ے متقاضی ہوئے تو شراب نوشی کو بالکل حرام قرار دے دیا گیا چوری اور ا کی کڑی سزائیں فی الجملہ بیان کی گئیں لیکن ان جرموں کی قانونی تعریفیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیھی گئی چنانچہ بعد میں پہلی اور دوسری صدی ہجری کے فقہاء میں ان جرموں کی قانونی ساخت کے متعلق اختلافات رونما ہوئے ۔ اس معاملے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رض کا طرز عمل بھی اسوہ پیش کرتا ہے ۔ آپ ایک وقت حکمران بھی تھے اور قانون ساز بھی لیکن تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمرانی اور قانون سازی کے ان اختیارات کو ضرورت کے بغیر استعمال میں نہیں لایا گیا ۔ ان حالات میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ تاریخی طور پر صحیح سنت نبوی کی مقدار زیادہ نہیں ۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عموماً وہی قصے اور معاملات آتے تھے جو ان کے حق اختیار (Authority) کے بغیر حل نہیں ہو سکتے تھے ۔ آنحضرت کی وفات کے بعد گو حکمرانی کے اختیارات خلفائے راشدین کے ہاتھ میں رہے لیکن قانون سازی کا اقتدار کسی ایک شخص کے پاس نہ تھا اس ضمن میں جو بھی قدم اٹھایا جاتا صحابہ کرام رض کے مشورے سے جو امت کے نمائندے تھے اٹھایا جاتا تھا ۔ گویا دوسرے معنوں میں امت من حیث المجموع قانون سازی کرتی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ تاریخ عالم میں پہلی بار حکمرانی کے اختیارات کو مشروط کیا گیا اور " حکمران " اور " حکومت " کے تصور کو ایک معین مفہوم دیا گیا ۔ شریعت کی قانونی ترجمانی یا قانون سازی کا یہ طریقہ کار ہی تو تھا جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے دور میں جو اجماع ہوا اس پر لفظ " سنت " کا اطلاق کیا گیا اور صحابہ کرام ہی کے دور سے لفظ " اجماع " کا اطلاق کیا جانے لگا ۔

قانون سازی کو من حیث المجموع امت کا حق اختیار قرار دے کر حکمرانی کو جو اس طرح مشروط کیا گیا تو اسے ہم بجا طور پر " دستوریت " کا نام دے سکتے ہیں گو اس وقت کوئی تحریری اور " رسمی " دستور نہ تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تاریخ میں مشروط اور دستوری حکومت کا آغاز اسلامی حکومت سے ہوتا ہے ایک دو معاملوں میں حضرت عمر رض کے لوگوں کی رائے [illegible] خود اپنی اجتہادی رائے پر عمل کرنے کو اصولی طور پر " ڈکٹیٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شب " نہیں کہا جا سکتا اور نہ یہ " دستوریت " کی مخالفت ہے ایسی چیزیں ایک رسمی دستوریت میں بھی ہوتی ہیں ۔

خلفائے راشدین کے دور میں اس طرح جو اسلامی دستور وجود میں آیا اس کی بنیاد قرآن حکیم اور رسول اکرم کی سنت (جس کی مقدار زیادہ نہ تھی) تھی ۔ اب ظاہر ہے ہر عہد میں قرآن اور سنت کی ترجمانی کی ضرورت ہے اور یہ اہم عنصر اجماع ہے جو اس ترجمانی کا معتبر حامل رہا ہے ۔ چنانچہ قانون سازی کا حق مطلق اجماع اور صرف اجماع کو حاصل ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکمرانوں کے پاس قانون سازی کے اختیارات نہ تھے قانون سازی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا امت من حیث المجموع کرتی تھی البتہ حکمران اس کا نفاذ عمل میں لاتے تھے ۔

اجماع کو قانون سازی کے جو اختیارات حاصل تھے وہ مسیحی کلیسا اور ہندو براہمنوں کی طرح کسی خاص مذہبی گروہ یا مذہبی رہنماؤں کی کسی خاص کونسل کے لئے مخصوص نہ تھے ۔ اس ضمن میں فقہاء کا کام صرف یہ تھا کہ وہ قانون سازی کے اس عمل میں انفرادی قیادت (Leadership) کے فرائض ادا کریں ۔

یقیناً قانون سازی کے لئے چند اوصاف درکار ہیں اور ان کا فی الحال یکجا ملنا دشوار ہے اس کے لئے ایک تو قرآن و سنت کا گہرا اور تاریخی علم چاہیے نیز فقہائے متقدمین کی علمی کاوشوں سے براہ راست واقفیت ہو ' دوسرے زمانہ حاضر کے موجودہ حقائق اور پھر ان حقائق سے جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان سے باخبر ہونا ضروری ہے ۔ اس ضمن میں خاص طور پر حدیث سے صحیح سنت نبوی کا استخراج ایک سخت دقت طلب کام ہے اور ہماری صرف ایک نسل اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی اس کے لئے اسلام کی پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مذہبی ارتقا کی تاریخ جاننا از بس ضروری ہے اور بدقسمتی سے ہمارے اکثر علماء اس سے واقف نہیں ۔

اسلامی تاریخ کی ان ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں کے ہاں مذہبی ارتقا جس طرح ہوا اسے نہ جانے کی وجہ سے ہمارے ہاں ایک ایسا گروہ [illegible]

© rasailojaraid.com

جو صرف قرآن کو مانتا ہے اور سنت سے انکار کرتا ہے یہ لوگ اس لئے ایسا کرتے ہیں کہ انہیں مذہبی ارتقا کی تاریخ کا علم نہ ہونے کی بنا پر جن مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے اس میں ان کو اسی میں سلامتی نظر آتی ہے کہ وہ سرے سے حدیث ہی کا انکار کر دیں لیکن وہ اس سلسلے میں یہ بھول جاتے ہیں کہ حدیث کو اس طرح خیر باد کہنے سے خود قرآن کی تاریخی حقیقت کا ثبوت بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس کے ساتھ ہی اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ حدیث جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مدون ہوئی محض صرف سنت نبوی ہی کی آئینہ دار نہیں بلکہ اس کے علاوہ پہلی دو ڈھائی صدیوں میں اسلام میں جو مذہبی ارتقا ہوا وہ اس کی بھی آئینہ داری کرتی ہے اس وقت مسلمانوں کے اولین فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قرآن کے علاوہ ذخیرہ حدیث میں سے سنت نبوی کے استخراج کی کوشش کریں اور ان میں سے علماء کا ایک ایسا گروہ آگے آئے جو قرآن و سنت نبوی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ دنیا کے مسائل اور موجودہ قانون کو جانتا ہو اس کام کے لئے چند ایک نسلیں درکار ہیں اور جب تک کہ ایک ایسا گروہ بتدریج ظہور میں نہیں آتا موجودہ علماء اور موجودہ جدت پسندوں میں باہمی بحث و جدال ناگزیر ہے اور ہمارے نزدیک اسے دبانا ایک غلطی ہوگی۔

ہم نے اوپر خلافت راشدہ کی جو خصوصیت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت جمہوری حکومت کی ایک شکل ہے اور اسلامی حکومت کی جمہوریت کا ضامن اجماع ہے۔ بدقسمتی سے ہوا یہ کہ ہمارے فقہاء اور علماء نے اس وقت تک جو اجماع وقوع پذیر ہو چکا تھا اسے حتمی اور آخری قرار دیا اور اس کے بعد اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ حالات کی مجبوری کے تحت ایک حد تک قرون وسطیٰ میں بھی اجماع کا عمل جاری رہا چنانچہ تصوف کو اسی عمل اجماع نے اسلامی نظام میں جگہ دلوائی۔ باقی رہا یہ امر کہ تیسری صدی ہجری تک کا اجماع آخری اور حتمی اجماع مان لیا گیا تو اس کے بھی تاریخی اسباب تھے در اصل اس وقت اسلام سخت قسم کی باہمی کشمکشوں اور داخلی اور خارجی خطرات کے نازک دور سے گزر رہا تھا اور اسے استحکام اور اثبات کی بڑی ضرورت تھی۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے فقہاء اور علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے ایک طرح سے اسے بیرونی در اندازیوں سے مامون کر دینے کی کوشش کی اور اس کے ارد گرد ایک حصار عافیت کھینچ دی ورنہ اس اجماع کے آخری اور حتمی ہونے کی نہ تو کوئی سند قرآن میں تھی اور نہ سنت نبوی میں بلکہ یہ خود ایک قسم کا اجماع تھا اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ اسلام اپنے تشکیلی دور سے گزر کر اس منزل میں داخل ہو چکا ہے جو اس وقت کے لئے کافی بالذات تھی۔ لیکن وہ زمانہ گزر گیا اس لئے اب کوئی وجہ نہیں کہ اجماع کو نئے سرے سے بروئے کار نہ لایا جائے اور اجتہاد کا دروازہ نہ کھولا جائے البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ممکن صورت کیا ہونی چاہیے؟

امام شافعی رہ کی کتاب الام جلد ہفتم میں جو زیادہ تر مباحث اور مناظرات پر مشتمل ہے اسلام کے ابتدائی ارتقا کا اولین اور مفصل قابل حصول ریکارڈ موجود ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی نظام فکر کے متعلق مختلف آراء و نظریات کے باہمی رد و قدح کے بعد تدریجی توافق کے ذریعہ اجماع صورت پذیر ہوا اس سلسلے میں علماء و فقہاء کی آراء قرآن و سنت کی روشنی میں فکر و قیاس سے آزادانہ کام لینے کا نتیجہ تھیں ان آراء پر مختلف مکاتب فکر (حجازی۔ عراقی۔ شامی اور مصری) میں کھلے بندوں بحثیں ہوا کیں اور ان کے بارے میں جمہور بھی اظہار خیال کرتے رہے غالباً پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اجماع کا تصور اپنے پورے شعور کو پہنچا۔ ان آراء کے متعلق بحثوں اور مناظروں نے تدریجی طور پر امت میں من حیث المجموع ایک توافقی اور اجماعی اثر چھوڑا لیکن ہوتا یہ رہا کہ کسی ایک مسئلے پر اجماع ہونے کے بعد اور مسائل پیدا ہوتے گئے ان کے متعلق بحث و مباحثہ شروع ہو گیا اور کافی رد و قدح کے بعد ان کے بارے میں بھی اجماع ہو گیا یعنی اس طرح تیسری صدی ہجری کے آخر تک اجماع کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ اجماع کوئی خاص ادارہ یا کونسل نہیں۔ کرتی تھی بلکہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس کی نوعیت غیر رسمی (Informal) ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا ادارہ یا کونسل اس امر کی مجاز نہ تھی کہ وہ اجماع کرے یا اس پر اپنی مہر ثبت کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجماع کی یہی صورت اب بھی ہونی چاہیئے بشرطیکہ اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے کافی تعداد میں لوگ مل جائیں موجودہ زمانہ میں تو قرآن و سنت کی تعلیمات کے تحت رائے عامہ پیدا کرنے کے ذرائع بڑے وسیع ہیں جیسے کہ عمومی تعلیمی نظام، پریس اور ریڈیو وغیرہ اس ضمن میں جہاں تک میں اسلام کی روح کو سمجھ سکا ہوں میرے نزدیک کوئی کونسل یا اسمبلی اس کی اہلیت نہیں رکھتی کہ اس کی آراء کو اجماع کا درجہ دیا جائے اجماع کی یہ صورت قانون ساز اسمبلیوں کے باہر مختلف مکاتب فکر میں (جو ان مسائل پر رائے دینے کی اہلیت رکھتے ہوں) اور عام پبلک میں افکار و آراء پر آزادانہ بحث و مباحثہ کے ذریعے پیدا ہونی چاہیئے "اس اجماعی صورت" کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ امت کے تمام افراد ہر مسئلہ پر سو فیصدی متفق ہوں اور نہ یہ کہ اجماع نام ہے تعدادی اکثریت کا۔ بلکہ یہ ایک قسم کی رائے عامہ ہے۔ جو مجتہدانہ نظر رکھنے والے لوگوں کی فکری قیادت میں پیدا ہوتی ہے۔ قانون ساز اسمبلی کے ارکان کا کام یہ ہے کہ وہ رائے عامہ کی اس اجماعی صورت کو پرکھ سکیں اور اس کا صحیح صحیح تجزیہ کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ قانون ساز اسمبلی میں بھی قدرتی طور پر مختلف زاویہ ہائے نگاہ رکھنے والے لوگ ہوں گے۔ اور ان میں قرآن و سنت کو جاننے والے بھی ہوں گے اور جدید علوم کے ماہر بھی۔ یہ قانون ساز اسمبلی عوام کی منتخب شدہ ہوگی اور اگر ضرورت سمجھی جائے تو اس میں نامزد آدمی بھی شامل کئے جا سکتے ہیں یہ اسمبلی مسائل پر بحث مباحثہ کر کے ان کے بارے میں رائے عامہ کی اجماعی صورت (جو اسمبلی کے باہر ہوگی) کو قانونی جامہ پہنائے گی۔ غرض قانون ساز اسمبلی کا کام اجماع کرنا نہیں بلکہ وہ مظہر اور آئینہ دار ہوگی رائے عامہ کی اجماعی صورت کی۔ وہ متنازعہ فیہ مسائل جن کے متعلق شک ہو کہ آیا وہ اسلام کی روح یعنی قرآن و سنت کے منشا کے مطابق ہیں یا نہیں ان کے بارے میں رائے عامہ سے استصواب کیا جائے۔ ان امور میں آخری و حتمی فیصلہ نہ تو سپریم کورٹ کر سکتی ہے نہ علماء کی کوئی کونسل۔

© rasailojaraid.com